OPEN ACCESS
Al-Qālam القلم
P-ISSN: 2071-8683; E-ISSN: 2707-0077
Volume 28, Issue, 2, 2023
http://alqalamjournalpu.com/

فکر اقبال میں خانقاہی نظام کی اصلاح، ایک تنقیدی جائزہ

Reformation of monastic system in Iqbal's thought: A Critical Analysis

Hafiz Waqar Shaukat, M.Phil. Scholar, Departmet of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan.
Dr Jameel Ahmad Natkani, Assistant Professor, Departmet of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan.

Abstract

KEYWORDS:

Religion and Spirituality, Monastic System, Reformation, Spiritual and Intellectual Growth

Date of Publication:
30-12-2023

CC BY NC ND

Allama Muhammad Iqbal was a prominent philosopher and poet of the 20th century who presented his ideas about various fields, including religion and spirituality. He proposed a reformation of the monastic system in his thought, which can be understood in the context of his larger vision for Islamic revival.
In Iqbal's view, the monastic system had become stagnant and had lost its original purpose. He believed that the primary goal of any religious institution should be to facilitate the spiritual development of individuals and society. However, he observed that the monastic system had become self-serving and had lost touch with the needs of the wider community. He criticized the monastic system for being inward-looking and disconnected from the world, which was in contrast to the Islamic teachings that emphasize engagement with the world and the betterment of society.
Therefore, Iqbal proposed a reformation of the monastic system that would align it with the Islamic teachings and enable it to serve the needs of the wider

community. He suggested that the monastic system should be open to people from all walks of life and should not be restricted to a particular class or gender. He also proposed that the monastic institutions should focus on education and research, which would contribute to the development of knowledge and the betterment of society.

Iqbal's vision for the reformation of the monastic system was not limited to Islam alone. He believed that all religious institutions should be reformed to better serve the needs of the community and to promote the spiritual and intellectual growth of individuals. He argued that the monastic system needed to be reformed to become more relevant and responsive to the changing needs of the society.

In conclusion, Iqbal proposed a reformation of the monastic system that would make it more relevant, inclusive, and engaged with the needs of the society. His vision for the reformation of the monastic system was in line with his larger vision for Islamic revival and his belief in the role of religion in promoting individual and societal growth.

معنی و مفہوم:

لفظ خانقاہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے ایک "خان" اور دوسرا "قاہ"۔ "قاہ" کا لفظ بنیادی طور پر فارسی کا لفظ ہے اور اردو میں یہ "گاہ" ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں مختلف جگہوں پر مثلاً جنازہ گاہ، قیام گاہ وغیرہ۔ یہ خان گاہ ہے اور خان کے مفہوم میں بادشاہ یا کوئی عالی مرتبت اور اسی اصطلاح میں شیخ و مرشد کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ "گاہ" کا مطلب جگہ یا مقام ہے۔

خانقاہ کا معنی ہے درویشوں کی عبادت گاہ[1] یعنی وہ لوگ جو ہر وقت رضائے الٰہی کے حصول کے لیے جدو جہد میں مشغول رہتے ہیں۔

دیگر نام

خانقاہ کو انگریزی میں (Monastery)، ڈیرہ، خانقاہ، صومعہ، دھرم شالہ وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ صوامع سے مراد درویشوں کے عبادت خانے ہیں[2]۔ صوامعتہ سے مراد ایسی عمارت جس کا سر لمبا اور نوک دار ہو۔ صوامعتہ کی جمع صوامع ہے اور اس کا مطلب ہے خانقاہیں[3]۔ ابن ابی شیبہ وابن المنذر وابن ابی حاتم نے ابو العالیہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا کہ صوامع سے مراد ہے درویشوں کی خانقاہیں اور البیع سے مراد ہے نصاریٰ کے گرجا گھر اور صلوت سے مراد ہے صائبین کی مسجدیں جن کو وہ صلوات کہتے ہیں.

خانقاہی نظام کا ارتقاء

خانقاہ دراصل اسلامی تمدن، تصوف کا ایک تجدیدی پہلو اور صوفیاء کی خلوت نشینی کا ثمرہ ہے۔ ان حضرات نے جہاں قیام کیا وہاں ایک نیا تمدن وجود میں آگیا۔ رفتہ رفتہ یہ مقام فقراء اور صوفیوں کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ خانقاہ چونکہ تصوف کا ایک پہلو ہے اس لیے خانقاہ کے متعلق جاننے کیلئے تصوف کی حقیقت جاننا ضروری ہے۔

تصوف کی حقیقت اخلاق کی پاکیزگی اور باطن کی اصلاح، اپنا رشتہ اللہ سے جوڑنا، دنیا سے بے رغبتی، اپنی زندگی کو زہد و تقویٰ سے آراستہ کرکے رذائل سے پاک کرنا ہے۔

تصوف اور اس کا نام قرن اول اور قرن ثانی میں نہیں ملتا۔ حدیث اور آثار صحابہ میں اس کا نام نہیں ہے۔ تصوف کی اصطلاح کب رائج ہوئی اس بارے میں مشہور صوفی بزرگ ابو القاسم القشیری اپنی انتہائی مقبول کتاب "رسالۃ القشیریہ" میں لکھتے ہیں:

"جان لو خدا تم پر رحم کرے کہ رسول ﷺ کے بعد مسلمانوں کیلئے ان کے زمانے میں کوئی نام بڑی فضیلت والا سوائے صحابی رسول ﷺ کے نہیں رکھا گیا۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی نام نہ تھا۔ پھر ان کے بعد والوں کو تبع تابعین کہا گیا۔ پھر مختلف قسم کے لوگ پیدا ہوئے اور انکے مراتب میں فرق پڑ گیا۔ تب ان خاص لوگوں کو جنہیں دین کے کام میں زیادہ توجہ تھی زاہد، عابد کہا گیا۔ پھر بدعت ظاہر ہو گئی اور فرقوں کے مدعی پیدا ہو گئے۔ ہر ایک فریق نے دعویٰ کیا کہ ہم زاہد ہیں۔ تب اہل سنت کے خاص لوگوں نے جو خدا کے ساتھ اپنے نفسوں کی رعایت رکھنے والے اور پنے دلوں کی غفلتوں سے حفاظت کرنے والوں نے اس نام کو چھوڑ کر اپنا نام اہل تصوف رکھا اور دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے ہی ان بزرگوں کیلئے یہ نام شہرت پا گیا۔"[4]

حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ نے ابوالحسن بوشنجہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "تصوف موجودہ زمانے میں صرف ایک نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور گذشتہ زمانے میں ایک حقیقت تھی جس کا کوئی مخصوص نام نہ تھا۔ یعنی صحابہ کرام اور سلف صالحین کے وقت میں لفظ صوفی تو بے شک نہیں تھا لیکن اسکی حقیقی صفات ان میں سے ہر ایک میں موجود تھیں اور آج کل یہ نام تو موجود ہے لیکن اسکے معنی موجود نہیں۔ اس زمانے میں معاملات تصوف سے آگاہی کے باوجود لوگ اس کے مدعی نہ ہوتے تھے۔ لیکن اب دعویٰ ہے مگر معاملات تصوف سے آگاہی مفقود ہے"۔[5]

مولانا جامی نے نفحات الانفس میں لکھا ہے کہ "پہلا شخص جو صوفی کہلایا ابو ہاشم تھا۔ جن کا انتقال ۱۵۰ ہجری میں ہوا۔ انہیں کے رفقاء کیلئے فلسطین کے مقام رملہ میں ایک پہاڑی پر صوفیاء کی پہلی خانقاہ تعمیر ہوئی"۔[6]

خانقاہی نظام کی ضرورت و اہمیت

خانقاہوں میں تعلیم و تربیت اور اشاعت اسلام کا کام کیا جاتا ہے۔ اسلام کے اولین دور میں سب سے پہلا مرکز دیکھیں تو یہ مسجد نبوی ﷺ بنتی ہے۔ اس سے بھی پہلے اگر دیکھیں تو مکہ مکرمہ میں دارِ ارقم ہے کہ جہاں اس طرح کا ایک مقام تھا کہ آنے والے مہمان، مسافر یا کوئی بھی اور لوگ جو خانہ کعبہ میں آئے تو یہ اشاعت اسلام اور تعلیم و تربیت کی غرض سے بنایا گیا تھا۔ اور اسکا نام دارِ ارقم پڑا۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کو ہم اولین خانقاہ کہہ سکتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا قیام وہاں ہے۔ پھر اس میں تربیت کیلئے اصحاب صفہ کا قیام ہے۔ صفہ مسجد نبوی ﷺ میں ایک خاص چبوترہ کا نام ہے جہاں ہر وقت تعلیم و تربیت کے حلقے لگے رہتے تھے۔

اسکے علاوہ جو وفود ملاقات کیلئے آرہے ہیں ان سے ملاقات بھی مسجد نبوی ﷺ میں ہی ہے۔ اسکے علاوہ جو لوگ دین اسلام میں داخل ہونے کیلئے آتے یا تعلیم و تربیت کی غرض سے حاضر ہوتے تھے تو ان کے لئے مسجد نبوی ﷺ ہی ہے۔ اس طرح حضور ﷺ مسلم وفود اور غیر مسلم وفود سے ملاقات بھی مسجد نبوی ﷺ میں ہی فرماتے تھے۔ غرض ہر طرح کی مشاورت اور مسئلہ کے حل کیلئے مسجد نبوی ﷺ مخصوص جگہ تھی۔ "اولین خانقاہ" کا جو مفہوم بنتا ہے وہ مسجد نبوی ﷺ ہے۔

صوفیائے کرام کا معمول رہا ہے کہ انہوں نے بہت سیاحت کی ہے تو جو کسی جگہ گئے وہاں کے صوفی یا اہل اللہ ہیں۔ انکے ہاں ایک خودکار نظام ہے کہ جو کوئی مہمان آیا اسکے لیے جگہ ہے۔ یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں انسان کی تربیت اور اسکے مزاج کی تبدیلی، اسکے تصورات کو، اسکی سوچ کو، خیالات کو، اعمال کو، غرض ہر طرح سے اس انداز

اور نظریہ میں لے کر آنا جو قرآن مجید نے حکم دیا ہے۔ خانقاہ کا منصب رہا ہے کہ یہاں سے تربیت حاصل کر کے نکلنے والا شخص ایک بہترین مسلمان بن کر نکلا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت بابا فرید الدین مسعود اور حضرت شاہ رکن عالم اور دیگر اولیاء کرام وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے برصغیر میں اسلام کو اِس انداز سے پھیلایا۔ دین اسلام کا ایک ماٹو ہے جس طرح قرآن میں بھی آیا ہے کہ جو کرتے نہیں ہو وہ کہتے کیوں ہو۔ تو ان لوگوں کے اپنے عمل اس طرح کے تھے انکی شخصیات اور انکی زندگیاں اس طرح کی تھیں کہ لوگوں نے کہا اچھا یہ مسلمان ہیں، اس طرح کے مسلمان ہیں تو اسکو تو قبول کرنا چاہیے اس طرح سے بھی دین اسلام کی اشاعت ہوئی۔

اولیاء کی خانقاہ میں اگر کوئی شخص آیا ہے تو اسکو پہلے یہ نہیں پوچھا کہ تم مسلمان ہو یا غیر مسلم، تم سنی ہو یا وہابی، شیعہ ہو یا کچھ اور سب سے پہلے اسکو انسانیت کا درس دیا جو دین اسلام نے دیا ہے کہ اسکو بٹھایا، اسکی عزت و افزائی کی، اسکے بعد دریافت کیا کہ معاملہ کیا ہے۔ پھر وہ جس مقصد کیلئے آیا اسکی خدمت کی۔

خانقاہ میں تعلیم و تربیت اور اشاعت اسلام کے ساتھ طعام کا اہتمام بھی ہوتا ہے جہاں سے روزانہ سینکڑوں لوگ کھانا کھاتے ہیں اور ان میں پتہ نہیں کتنے ایسے ہیں جن کو ہم اپنی زبان میں سفید پوش کہتے ہیں۔ جو کسی سے اپنا دکھ بیان نہ کر سکتے ہوں جو کسی سے اپنی بھوک بیان نہ کر سکتے ہوں، یہاں آتے ہیں تو کوئی ان کو نہیں پوچھتا کہ تمہارا تعلق کس گھر سے ہے۔ امیر غریب سب ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ ہر خانقاہ کا اصل ہے کہ وہاں جو کوئی بھی آیا ہے اسکو پذیرائی بھی ملے گی۔ اولیاء کے ہاں ذات پات کی تفریق نہیں ہے۔ بڑے چھوٹے کا تصور نہیں ہے۔

اقبالؒ کا مختصر تعارف

علامہ اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء بمطابق ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ کو ہندوستان کے شہر سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ ماں باپ نے نام محمد اقبال رکھا۔ مختلف تاریخ دانوں کے مابین علامہ اقبال کی تاریخ ولادت پر کچھ اختلافات رہے ہیں۔ لیکن حکومت پاکستان سرکاری طور پر ۹ نومبر ۱۸۷۷ء ہی کو انکی تاریخ پیدائش تسلیم کرتی ہے۔

ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبالؒ بیسوی صدی کے ایک معروف شاعر، مصنف، قانون دان، سیاستدان، مسلم صوفی اور تحریک پاکستان کے اہم ترین شخصیات میں سے ایک تھے۔ اردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے اور یہی انکی بنیادی وجہ شہرت ہے۔ شاعری میں بنیادی رجحان تصوف اور احیائے امت اسلام کی طرف ہے۔ علامہ اقبال کو

دورِ جدید کا صوفی سمجھا جاتا ہے۔ بحیثیت سیاستدان ان کا سب سے بڑا کارنامہ نظریہ پاکستان کی تشکیل ہے جو انہوں نے ۱۹۳۰ء خطبہ آلہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پیش کیا تھا۔ یہی نظریہ بعد میں پاکستان کے قیام کی بنیاد بنا۔ اسی وجہ سے علامہ اقبال کو پاکستان کا نظریاتی باپ سمجھا جاتا ہے۔ گو کہ انھوں نے اس نئے ملک کے قیام کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن انہیں پاکستان کے قومی شاعر کی حیثیت حاصل ہے۔

اقبال، مسلک تصوف اور خانقاہ

اقبال کا تصوف سے کیا رشتہ ہے؟ یہ ناقدین اقبال کے ہاں ایک نزاعی مسئلہ رہا ہے اس سلسلہ میں افراط و تفریط سے کام لیتے ہوئے ناقدین نے عجیب و غریب رائے دی ہے۔ محترم اقبال اور انکے نظریہ تصوف کے بارے میں دو آراء موجود ہیں۔ دو گروہ بنے ہوئے ہیں۔ پہلے گروہ کے نزدیک علامہ اقبال تصوف کے خلاف تھے اور اسے خلاف دین قرار دیتے تھے۔ جبکہ دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ محترم اقبال صرف موجودہ اور رائج تصوف پر تنقید کرتے تھے۔ کیونکہ انکے زمانے میں رائج تصوف بہت سے خرافات کی وجہ سے اپنی اصل شکل کھو چکا تھا۔ دراصل اقبالؒ خود صوفی منش والد کے بیٹے تھے اور سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے اور وقتاً فوقتاً اولیاء کے مزاروں پر حاضری دیتے رہتے تھے۔

بیشک اقبالؒ اس تصوف کے خلاف تھے جو راہبانیت اور ترک دنیا کی طرف لے جاتا ہے۔ کاہلی، بے عملی یا نشے کا عادی بنا کر لوگوں کو خود فراموشی کا شکار بنا دیتا ہے۔ کیونکہ اقبال سمجھتے تھے کہ مذہب انسان کی رگوں میں زندگی کا خون پیدا کرتا ہے اور دوڑاتا ہے۔ انسان کے باطن کو منور کر کے اسے ایک با عمل اور بہتر انسان بناتا ہے۔ بقول اقبالؒ "دین وہ شعلہ ہے جو باطل کے ہر نظام کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے، اس لیے جو تصوف انسان کو بے عمل بنا دے وہ خلاف دین ہے کیونکہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔"[7]

اس طرح اقبالؒ ایسی پیری مریدی کے خلاف تھے جو محض دکانداری، تجارت، لوٹ مار کا ذریعہ ہے۔ ایسی پیری مریدی جس میں پیر کا گھر قمقموں سے روشن ہو اور مرید دیئے کی روشنی کو ترستا ہو۔

اقبال اپنی شاعری میں فرماتے ہیں کہ

تھا جہاں مدرسہ شیری و شاہنشاہی آج ان خانقاہوں میں ہے فقط روباہی[8]

یعنی جو خانقاہیں کبھی شیری، دلیری، بہادری اور شاہنشاہی، عظمت و سربلندی کی تربیت و پرورش کا مرکز ہوا کرتی تھیں آج ان میں صرف اغیاری و فریب کاری رہ گئی ہے۔ آج کے نام نہاد صوفیاء مختلف بہانوں اور فریبوں سے لوگوں سے مال ہتھیاتے ہیں۔ ورنہ روحانیت کے سنجیدہ پیروکار کی حثییت سے اقبال مانتے تھے کہ

"پیر یا مرشد کی سخت ضرورت ہوتی ہے اس کے بغیر انسان صحیح اور کامل راستہ نہیں دیکھ سکتا۔"[9]

عصر حاضر میں خانقاہی نظام میں سجادہ نشینوں کے خلاف شریعت اعمال و حرکات کی وجہ سے وہ اثر انگیزی باقی نہیں رہی۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے ان تلخ حقائق کا بغور مطالعہ کیا اور اپنی شہرہ آفاق تصنیف بال جبریل میں ایک غزل "باغی مرید" کے عنوان کے تحت لکھ کر لوگوں کی اصلاح فرمائی۔

ہم کو تو میسّر نہیں مٹّی کا دِیا بھی — گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو، دہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ — مانندِ بُتاں پُجتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں، سُود ہے پیرانِ حرم کا — ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انھیں مسندِ ارشاد — زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن![10]

باغی مرید کہتا ہے کہ ہم جو شب و روز محنت کر کے ان نام نہاد پیروں پر اپنی کمائی نچھاور کر دیتے ہیں ان کے گھروں میں تو روشنی کے لیے ایک مٹی کا دیا بھی موجود نہیں ہے جب کہ پیروں کے محلات برقی قمقموں سے جگمگا رہے ہیں

ہم سادہ لوح مرید خواہ شہری باشندے ہوں یا دیہات کے رہنے والے! عملی سطح پر ہمارا چالاکی اور عیاری سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہو تا جب کہ ہم لوگ ان پیروں کی اس طرح سے پرستش کرتے ہیں جس طرح یہ لوگ کعبے کے برہمن ہوں اور ہم ان کی اسی طرح پوجا کرنے پر مجبور ہیں جیسے کہ برہمن بتوں کی کرتے ہیں۔ علامہ نے یہاں کعبے کے برہمن کا استعارہ پیر کے لیے طنزاً باندھا ہے کہ یہ حضرات بھی بتوں کی مانند اپنی پرستش کے خواہاں ہیں

یہ پیر ہم سے جو خراج وصول کرتے ہیں یہ نذرانہ نہیں بلکہ سود کے مانند ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان مکر و فریب کے پتلوں کے اندر کوئی مہاجن چھپا بیٹھا ہے

افسوس ناک امر یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کی مسندیں ان ناعاقبت لوگوں کو ورثے میں ملی ہوئی ہیں۔ یہاں سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ عقابوں کے گھونسلے کووں کی دسترس میں ہیں

مرا سبو چہ غنیمت ہے اس زمانے میں کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو[11]

مرا سبو چہ یعنی دنیاوی چیزوں کی اصلیت کے حوالے سے میری سوچ، میری پرواز تخیل، بہت گہرا تو نہیں، تاہم بہت غنیمت ہے کیونکہ آج کل کے اہل تصوف اب اتنی سمجھ بوجھ کے حامل بھی نہیں رہے اور تصوف کی خانقاہیں صرف نام کی خانقاہیں رہ گئی ہیں جہاں سے انسان کو روحانی بالیدگی تخیل کی اعلیٰ بلندی کچھ حاصل نہیں ہو پاتا۔ یہ اصلاً مجاور رہ گئے ہیں۔ ان میں صالح اعمال کی بلندی پاکیزگی فکر باقی نہیں ہے۔

نقل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری مزاج خانقاہی ہے فقط، اندوہ دلگیری[12]

علامہ عہد حاضر کے ان فقیروں، درویشوں اور صوفیوں کو جنہوں نے اپنے آپ کو اپنی خانقاہوں تک محدود کر رکھا ہے اور عملی دنیا سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، کہا ہے کہ تمہاری یہ خانقاہی زندگی رہبانیت کے برابر ہے۔ تم اپنی خانقاہوں سے نکلو اور عملی میدان میں آکر امت مسلمہ کے مسائل کا حل تلاش کرو۔ ان کو غلامی کی زنجیریں کاٹنے کا مشورہ بھی دو اور اسکے کاٹنے میں ان کی مدد بھی کرو۔ ان کو جابر طاقتوں کے سامنے سر اٹھانے کے لیے بھی کہو اور خود بھی اس عمل میں حصہ لو۔ جس طرح حضرت امام حسینؓ نے اپنے وقت کے جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہا تھا۔ اگر تم ایسا نہیں کروگے تو یاد رکھو یہ زندگی رنج والم کے سوا کچھ بھی نہیں۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے[13]

اللہ کا ذکر کرنا اور اس کی صفات میں غور کرنا اور پھر اپنی اور کائنات کی حقیقت سے آشنا ہونا اسلامی عبادت اور اسلامی تصوف کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن جب یہ ذکر و فکر اسے عملی دنیا سے بے گانہ کر دے تو یہی اس کے لیے زہر قاتل بن جاتا ہے۔ آج کے مسلمان چونکہ اس دوسرے قسم کے ذکر و فکر میں مشغول ہیں اور عملی زندگی سے بیگانہ ہو چکے ہیں اس لیے شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تم اسے صبح کے وقت کے اس ذکر و فکر میں مشغول اور مست رکھو جس سے اس کا رہبانی مزاج اور پکا ہو جائے اور وہ عملی دنیا سے غافل دوسروں کا محتاج اور غلام بنا رہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر وہ ذکر و فکر کی اصل حقیقت سے آگاہ ہو گیا تو ہمارے نظام کی دھجیاں بکھیر دے گا۔

موجودہ دور کی خانقاہ کے بارے میں اقبال اپنی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

رمز و ایما اس زمانے کیلئے موزوں نہیں اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن

قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے　　　خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن [14]

اقبال اس غزل میں فرماتے ہیں کہ اشارے کنائے میں بات کرنا آج کے دور کے حالات کے پیش نظر مناسب نہیں ہے پھر یہ بھی تو ہے کہ مجھے باتیں بنانے کا فن نہیں آتا۔ یعنی جو کچھ مجھے کہنا ہوتا ہے وہ میں صاف صاف اور لگی لپٹی بغیر کہہ دیتا ہوں۔

جو حضرات (اہل خانقاہ) "قم باذن اللہ" کہنے کی اہلیت رکھتے تھے وہ تو رخصت ہو چکے ہیں یعنی یہ حضرات صحیح صوفی اور صاحبان فقر تھے جو مردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونک دیا کرتے تھے لیکن آج یہ صورت حال ہے کہ خانقاہیں یا تو مجاوروں کا ٹھکانہ بن گئی ہیں یا پھر گورکنوں کا۔ مجاور مزاروں پر بیٹھ کر لوگوں سے نذرانوں کے بہانے روپیہ پیسہ حاصل کرتے ہیں اور گورکن قبریں کھود کر پیسہ لیتے ہیں۔

خانقاہی نظام اور فکر اقبال میں مجوزہ اصلاحات

اسلام میں مذہبی تصورات کی نئ تشکیل پر غور کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے رد و قبول کا ایک جاندار نظریہ اپنا لیا اور فرسودگی کے خلاف پر شکوہ آواز اٹھائی۔ ذہنی اعتبار سے مغربی تمدن کو اسلامی تمدن کے بعض پہلوؤں کا مزید ارتقاء پا کر بھی علامہؒ نے افکار نو کی ناگزیری پر زور دیا۔ انہی کے الفاظ میں نئے نئے زاویہ نگاہ نمایاں کیے گئے ہیں۔ پرانے مسئلے تازہ تجربے کی روشنی میں دوبارہ حل کیے گئے ہیں۔ نئے نئے مسائل بھی رونما ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانی شعور اپنے سب سے پرانے بنیادی تعینات زمانی و مکانی اور حادثات پر غالب آرہا ہے۔

ہمارے سامنے صرف یہی راستہ ہے کہ ہم جدید علوم کا احترام کریں لیکن آزادی فکر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور ان علوم کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کریں چاہے اس سلسلے میں ہم کو ان حضرات سے اختلاف ہی کرنا پڑے جو ہم سے بہت پہلے گزر چکے ہیں۔

اقبال اور تصوف کے رشتہ کو سمجھنے کے لیے اقبال کے خطوط ایک اہم مأخذ ہیں۔ ان خطوط میں اقبال نے تصوف کے بارے میں اپنے نظریے کو واضح کیا ہے ایک خط میں وہ دوٹوک کہتے ہیں:

"اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوف وجودی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب وہوا میں پرورش پائی ہے۔ [15]

محترم اقبالؒ نے تصوف کے علمی اور عملی دونوں پہلوؤں پر نہایت باریکی اور سنجیدگی سے غور کیا تھا۔ تصوف کو انہوں نے بالکل قابل مذمت سمجھا ہو ایسی بات نہیں ہے لاہور سے ۱۳ فروری ۱۹۱۶ء کو لکھے گئے ایک خط میں انہوں نے تصوف کے روشن پہلو کا اعتراف بھی کیا ہے۔

اس بارے میں آپ لکھتے ہیں:

"تصوف کے ادبیات کا وہ حصہ جو اخلاق و عمل سے تعلق رکھتا ہے نہایت قابل قدر ہے۔ کیونکہ اس کے پڑھنے سے طبیعت پر سوز و گداز کی حالت طاری ہوتی ہے۔ فلسفے کا حصہ محض بے کار ہے اور بعض صورتوں میں میرے خیال میں قرآن کے مخالف۔[16]

ہندی ایرانی تصوف کی رو سے مسئلہ فنا پر اپنے شدید رد عمل کو علامہ نے اپنے ایک مکتوب میں یوں ظاہر کیا ہے:

"لیکن ہندی اور ایرانی صوفیاء میں سے اکثر نے مسئلہ فنا کی تفسیر وحدانیت اور بدھ مذہب کے زیر اثر کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اس وقت عملی اعتبار سے ناکارہ محض ہے۔ میرے عقیدے کی رو سے یہ تفسیر بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ایک معنی میں میری تمام تحریریں اس تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں۔[17]

اقبال کہتے ہیں کہ

تمدن، تصوف شریعت کلام بتان عجم کے پجاری تمام[18]

یہاں پر تصوف کا ذکر شریعت اور کلام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ان میں سے کم از کم شریعت تو عجم سے بر آمد شدہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس کو تصوف کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ جس طرح شریعت میں عجمی اثرات کی وجہ سے فقہی موشگافیوں نے اصل روح شریعت کو فنا کر دیا ہے اسی طرح تصوف عجمی اثرات کی وجہ سے اپنے اصل مقصد سے بہت دور چلی گیا ہے اور یہی وہ عجمی تصوف ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے:

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر جو چھپا دے اسکی آنکھوں سے تماشائے حیات[19]

اقبال کو تصوف سے کچھ شکایتیں تھیں جن کی اقبال اصلاح بھی کرتے ہیں اقبال حرکت و عمل کے پیامبر ہیں انکا فلسفہ انسان کے جہد مسلسل کی تعلیم دیتا ہے اس وجہ سے اقبالؒ ہر اس فلسفے اور تحریک کی مذمت کرتے ہیں جو ان کی نظر میں اس راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اقبال صوفی کی قنوطیت پسندی اور بے عملی کی پر زور مذمت کرتے ہیں۔ اقبال کا فلسفہ حیات ہے:

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی　　　　اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے[20]

اس دوٹوک اظہار سے دو باتیں بالکل نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ علامہ اقبالؒ تصوف کی انسان پرور اخلاقی اور عملی قدروں کے قائل تھے اور ایسا ہونا قابل فہم بھی ہے۔ پھر رومیؒ کے مرید ہندی جو ٹھہرے۔ چنانچہ جگہ جگہ اس اعتراف کے اشارے ملتے ہیں:

رہا نہ حلقہ صوفی میں سوز مشتاقی　　　　فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی[21]

صوفی اور درویشوں کی خانقاہوں کی صورت حال آج کل بس ایسی ہے کہ عشق و عمل کی جگہ محض جھوٹی کرامتیں دکھا کر اپنے پیروؤں کو لوٹنے کی روش باقی رہ گئی ہے

اب حجرہ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی　　　　خون دل شیراں ہو جس فقر کی دستاویز[22]

اگر یہ کہا جائے کہ صوفی میں پہلے جیسی صلاحیت اور روحانی قوت بر قرار نہیں رہی تو بے جا نہ ہو گا ورنہ ماضی میں تو صوفی اور درویش میں ایسی روحانی قوت ہوا کرتی تھی جس کے روبرو شیر بھی لرزہ براندام رہتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ اس عہد کا صوفی اور درویش تو فقر و غنا سے انحراف کر کے دنیاوی مال و منال کے چکر میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں وہ روحانی قوت باقی نہیں رہی جو ہر نوع کی بڑی قوت پر بھاری ہوتی تھی۔

سکوں پرستی راہب سے فقر ہے بیزار　　　　فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی[23]

سچا درویش ہندوؤں اور عیسائیوں کے درویشوں کی طرح آرام طلب، گوشہ گیر اور تارک الدنیا نہیں ہوتا بلکہ اس کی زندگی کی کشتی ہمیشہ طوفانوں سے کھیلتی رہتی ہے۔ وہ ہمیشہ باطل سے ٹکراتا ہے۔ قوم کو بناتا ہے افراد کو سلجھاتا ہے۔ دنیا پرست اور نفس پرست بھی نہیں ہوتا وہ اس دنیا کا باشندہ ہوتا ہے جو آخرت کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنتی۔

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو　　　　کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی[24]

اس شعر میں علامہ اپنے دور کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قدرت نے تمہیں دوسروں کا اس لیے محکوم بنا دیا ہے کہ تم سے اس فقر کی حفاظت نہ ہو سکی جو اسلامی فقر کہلاتا ہے

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی　　　　رہ گئے صوفی و مُلّا کے غلام اے ساقی[25]

اقبالؒ اُن تمام فروعی عناصر کے خلاف نبرد آزما ہیں جو تصوف کی آڑ میں انسانیت کا شکار کھیلتے ہیں۔ جبھی تو وہ مسئلہ قضا اور مسئلہ فنا کی افلاطونی یا ایرانی تفسیروں سے بے زار ہیں صوفی کی قنوطیت پسندی، بے عملی، ناخوش

اندیشی کی وہ پر زور مذمت کرتے ہیں۔ خانقاہی رہبانیت کے سکوں پر ستانہ توکل میں وہ شعور انسانی کی نفی مانتے ہیں۔ مختصر یہ کہ صوفیانہ لاتعلقی میں پلنے والی شکست خوردگی کو وہ قلندرانہ کردار کی فعال نشوونما کیلئے مضر ہی نہیں مہلک سمجھتے ہیں۔ چنانچہ کلام اقبال سے ان خدشوں اور اندیشوں کا اظہار اسرار رموز کے علاوہ تخلیقات میں بھی، خصوصاً ضرب کلیم، بال جبریل اور ارمغان حجاز کی بیشتر نظموں میں بھی اسکے معنی خیز اشارے ملتے ہیں۔

تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے[26]

نسبت روحانی کا سوال اٹھا کر اقبال نے ایک نہایت اہم نکتے کو ابھارا ہے یعنی یہ کہ ہر پرانی روایت کو وقت کے نئے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہونا ہی پڑتا ہے۔ نہیں تو وہ روایت زندہ نہیں رہتی۔ اپنی اس ذہنی کیفیت کو انہوں نے یوں بیان کیا ہے:

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی[27]

میری زندگی کی بیشتر راتیں تذبذب اور ذہنی کشمکش کا شکار ہیں کبھی مولانا رومی کے سوز و ساز سے دل ہم آہنگ ہوا اور کبھی اسی پر امام رازی کی فلسفیانہ موشگافیاں مسلط رہیں۔

شرح فقر کرتے ہوئے اقبال اسے حقیقت دین قرار دیتے ہیں:

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر دوسرا نام اسی دین کا ہے فقر غیور[28]

مطلب یہ ہے کہ اگر اہل یورپ کو اسلام کے لفظ سے چڑ ہے تو وہ یہ لفظ استعمال نہ کریں اسکی جگہ فقر وغیور نام استعمال کر لیں۔ تصوف کی اصطلاح میں فقر مسلمان کا وہ جوہر ہے جو اسے ہر حاجت سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ بلکہ ہر شے اسکی محتاج ہو جاتی ہے۔ یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ دنیاوی حاجات سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ کیلئے زندگی بسر کرے اسلام اور فقر کو ایک ثابت کر کے اقبالؒ نے ان لوگوں کو بھی منہ توڑ جواب دیا ہے۔ جو فقر کو غیر اسلامی کہتے ہیں۔

جو شخص اپنی محنت سے اور کرم خداوندی سے فقر محمدی حاصل کرلیتا ہے اسے فقیر کہتے ہیں

اگر خانقاہی نظام کا معاشرتی تجزیہ کیا جائے تو خلافت راشدہ کے بعد جب ناعاقبت اندیشوں نے اسلام کو فرقہ بندی کا شکار کیا تو صرف ایک ادارہ بچ گیا جو اس فرقہ بندی کا شکار نہ ہوا نہ اسکی زد میں آیا۔ وہ ادارہ خانقاہ ہے چونکہ صاحبان خانقاہ کے سینے فقر محمدی ﷺ سے روشن تھے اور خود رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اس مرض لادوا (فرقہ پسندی) کو ناپسند فرمایا اور جن کے سینے نور محمدی ﷺ سے روشن تھے

انہوں نے اس سے اجتناب کیا۔ اور شرک ورسومات شرک کو سختی سے روکا۔ کچھ عرصہ تو خانقاہ اپنی اصلی صورت پر برقرار رہی مگر بعد میں اس عظیم الشان ادارہ کے اندر بھی خرابیاں پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔ وہ خرابی پیدا کرنے والے کوئی اغیار نہیں تھے۔ بلکہ انہیں بزرگان دین کی اولادیں تھیں جنہوں نے اس نظام کا بیڑہ غرق کر دیا۔

ان اسلاف کی اولادوں کو تین معیاروں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1 ایک تو وہ تھے جنہوں نے آبائی مشن کو صحیح طور پر سمجھا اور اسے وراثت کے بجائے امانت الہیہ تصور کیا اور اسکے حصول کیلئے پیکر کردار بنے اور اسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حقیقت دین کو اپنایا۔ اور ظاہر وباطن کے امتزاج سے سنت محمدیہ ﷺ کے عین مطابق اسی معاشرے میں اپنا کردار ادا کیا۔

2 ان میں دوسرا طبقہ وہ تھا جو بیچارہ اپنے آپ کو کرم شہزادگی لگا بیٹھا اور پیر کی اولاد ہونے کی وجہ سے خود بھی پیر بن بیٹھا۔ خوشامدی اور مغار پرست خلفائے دست بستگی و اندھی عقیدت نے انہیں غرور و تکبر میں مبتلا کر دیا۔ انہی شرمندگان بشر نے شرع و طریقت کو الگ کر دکھایا۔ ظاہر کے کردار کو چھوڑ دیا اور صرف اپنے اندر میں مگن رہنے لگے۔ گویا انہوں نے قدیم ہندو جوگیوں اور سادھوؤں کا راستہ اختیار کیا۔ شریعت محمدی ﷺ کو چھوڑا کر راہبانیت کو فوقیت دی شرح طریقت کرتے ہوئے۔ اقبال فرماتے ہیں:

پس طریقت چیست اے والاصفات شرع را دیدن بہ اعماق حیات [29]

پس اے موصوف شریعت کو زندگی کی گہرائیوں سے دیکھنے کا نام طریقت ہے۔

جب ان اسلاف کی اولاد کا یہ دوسرا بڑا طبقہ اعمال صالح سے ہٹا اور رہبانیت اختیار کی تو ان کی دیکھا دیکھی کئی بے عمل اٹھ کھڑے ہوئے اور پیری کو کاروبار بنالیا۔ گلی محلوں میں جعلی پیری کے اڈے بنتے گئے اور لوگ اس حقیقت سے محروم ہوتے چلے گئے۔ پھر اس حقیقت کی جگہ فرسودہ وضعیف روایات نے لے لی۔ وہ خانقاہیں جو کبھی تبلیغ اسلام کا مرکز اور تعلیمات حدیث کی وارث حقیقی ہوا کرتی تھیں۔ جعلی اور دو نمبر پیروں نے اسے تجارت مدفن تک محدود کر دیا۔

افسوس کہ ان جلیل القدر ہستیوں کی آنے والی پشتوں نے مقصد اسلاف کو بھلا کر مرقد اسلاف کی بری طرح توہین کی اس کے استحقاق کو مجروح کیا اور اسے اپنی وراثت سمجھ کر ذریعہ معاش بنا بیٹھے۔ تبھی تو روح اقبال بلبلا اٹھی:

بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو پیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو
ہو نکونام جو قبروں کی تجارت کرکے کیا نہ بیچوگے جو مل جائیں صنم پتھر کے [30]

شاید یہی وقت ہے کہ وارثان خانقاہ مروجہ و فرسودہ خیالات و روایات کو ترک کردیں اور نمود نوری کی تحریک اپنے پہلوؤں سے شروع کریں اور اسباق کردار کی ورق گردانی کریں۔

ممکن نہیں تخلیق خودی خانقاہوں سے اس شعلہ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا [31]

اگر یہ اسی پر اکتفا کیے رکھے گا تو شاید ابلیسی نظام کا نظم و نسق برقرار رہے گا۔ اگر یہ خانقاہی مزاج سے نکل کر خانقاہی معراج کی طرف پیش قدمی کر گیا تو شاید یہ لشکر معرکہ روح بدن کا حل نکال لے اور تہذیبی درندوں کو زندہ دربار کردے کیونکہ اس لشکر کی طاقت کا اندازہ شاید ان ابلیس یعنی اہل مغرب کو نہ ہوگا۔ جس طرح علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست چشم او بنظر بنور اللہ نیست

مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے کی مصداق نہیں ہے۔ بے عمل، بے کردار پیروں نے جگہ جگہ روحانی دوکانیں کھول لی ہیں۔ تشہیر کرامات، من گھڑت خوابوں اور شیطانی کشاف نے انہیں مکافات عمل سے بے خبر کردیا ہے۔ خانقاہی نظام کا جتنا نقصان اسلاف کے دوسرے طبقے نے کیا ہے اس سے کہیں زیادہ تیسرے طبقے نے نکالا ہے۔

3 یہ وہ طبقہ ہے جو اسلاف کی میراث کو حاصل نہ کرسکا مگر انہوں نے سوچا اگر ہم اس منزل و مقام تک نہیں پہنچ سکے تو کم از کم روزی معاش کا کوئی مثبت ذریعہ تو بنائیں۔ انہوں نے علم کی راہ نکالی اور حصول علم کیلئے چل نکلے

ستم یہ ہوا کہ جب وہ علماء (فرزندان مشائخ) نے خود کو اولاد پیر ہونے کی وجہ سے پیر کہلوانا شروع کردیا تو ان کے ہم جماعت دیگر علماء نے دیکھا کہ پیری کرنا تو اتنی آسان ہے مریدین کو صرف وعظ و نصیحت ہی کرتا ہے تو وہ

تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔ تعویذ اور دم رکھنا ہے تو وہ تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اس لیے ان کی دیکھا دیکھی علماء بھی پیر بن بیٹھے۔ اکثر دربار اور درگاہیں ایسی تعمیر ہو چکی ہیں جنکی بنیاد فقر و معرفت نہیں بلکہ صرف علم و حکمت ہے۔

ان ہی خصوصیات کی کمزوری یا نفی کا حامل ہونے کے باعث خانقاہی نظام کو علامہ اقبالؒ نے قابل مذمت گردانہ ہے۔ چنانچہ ضرب کلیم کے بیشتر قطعات میں اس نظام کے علم برداروں کو ٹوکا ہے۔ ٹوکنے کا حق بھی تھا۔ اس لیے عالم اسلام پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ بقول ان ہی کے:

میں نہ عارف نہ مجدد نہ محدث نہ فقیہ ہاں مگر عالم اسلام پر رکھتا ہوں نظر[32]

علامہ اقبالؒ نے خانقاہی نظام کو صاف صاف بتادیا کہ

یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے یہ سرور تری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں[33]

پہلے شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ آدھی راتوں کو اٹھ کر اللہ کا ذکر کرنا اور مراقبے میں رہنا (یعنی اللہ کی ذات وصفات پر غور کرنا) تیرے لیے مستی اور کیفیت کی بات ہے لیکن اگر ان سے تو اپنی خودی کی حفاظت نہیں کر سکتا تو میرے نزدیک یہ سب کچھ بے کار ہے۔

اگلے شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ اگر مسلمان زبان سے کلمہ پڑھ بھی لے اور خدا کو الٰہ مان بھی لے تو اس سے اسوقت تک کچھ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ دل سے اقرار نہ کیا جائے۔

کرامات باز صوفی کو بھی انہوں نے جڑ کی بات بتادی کہ

تیر نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا[34]

اقبالؒ نے اس شعر میں اس صوفی کو خطاب کرتے ہوئے کہاہے کہ جو صرف کرامات کی دنیا میں رہتا ہے اور اصل دنیا سے کنارہ کش ہے کیاہے کہ تو صرف کرامات کی دنیا میں محدود ہو کر رہ گیاہے۔ حالانکہ اس کے مقابلے میں ایک وہ دنیا بھی ہے جس میں ہر لمحہ نئے واقعات پیش آتے ہیں۔ کرامات اس وقت کار آمد ہیں جب کرامات دکھانے والا واقعاتی اور حقیقی دنیا سے الگ نہ ہو۔

اقبال کا ذاتی مشاہدہ تھا کہ صوفی اپنی محرمیوں کو ہی برکات ایزدی کا نام دے رہے تھے:

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست
فقیہہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگِ دست بدست[35]

اقبالؒ کہتے ہیں کہ کبھی صوفی مجاہد ہوتے تھے اور انکی سر گرمیاں بھی مجاہدانہ ہوتی تھیں۔ وہ زندگی کے عملی کاروبار میں حصہ لیتے تھے۔ لیکن شاعر کہتا ہے کہ آج کے صوفی تو بس یہی کافی سمجھتے ہیں کہ ہم نے الست بربکم کے جواب میں قالوبلٰی کہا تھا اور ہم بس اسی شراب میں مست ہیں۔ ہمیں دنیاوی کاروبار اور عمل سے کیا غرض ہے۔

صوفیوں نے تو ترک دنیا کیا ہی تھا۔ ہمارے عالموں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ بھی شریعت اور دین کی باتیں برملا کہنے میں جھجکتے ہیں۔ اس خیال سے کہ کہیں حاکمان وقت سے تصادم نہ ہو جائے۔ اس لیے فقیہہ شہر وہ بھی ترک دنیا پر مجبور ہے۔ تسلیم ورضا کی غلط تاویل کر کے توکل کا ڈھونگ رچانے والوں کو علامہ نے تنبیہ کی:

فطرت کے تقاضوں پر نہ کر راہ عمل بند　　　مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم ورضا کا[36]

اقبالؒ کہتے ہیں کہ جس طرح پودا قدرت کے تقاضے اور ضرورتیں پوری کرتا ہوا بیج سے پودا بن جاتا ہے اور پھلتا پھولتا ہے اس طرح انسان تو بھی ضرورتوں کے مطابق بڑھ اور پھل پھول۔ تسلیم ورضا کا جو مقصد تیرے ذہن میں ہے کہ جو کچھ ہونا ہے ہوتا رہے گا اور خود ہاتھ پاؤں نہ ہلانا یہ تسلیم ورضا کا غلط مفہوم ہے۔ بات عمل سے بنتی ہے عمل کرو نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو:

اے پیر حرم رسم ورہ خانقہی چھوڑ　　　مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا[37]

اقبالؒ کہتے ہیں کہ اے مسلمانوں کے رہنماؤ یہ دور تم سے عمل کا تقاضہ کرتا ہے۔ اپنی خانقاہوں اور مسجدوں سے نکل کر مسلمان قوم کو بیدار کرنے کی تدبیر کرو۔ اقبال کہتے ہیں کہ

تقدیر کے پابند نباتات وجمادات　　　مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند[38]

اقبال فرماتے ہیں تقدیر کی پابندی کرتے تو ہم نے جمادات کو دیکھا ہے یا نباتات کو جو گھاس پھوس فصلوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ مومن کوئی جماداتی یا نباتاتی مخلوق نہیں ہے۔ یہ ایسی مخلوق ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے حکم کو تسلیم نہیں کرتی۔ تقدیر کو تو مومن احکام الہیٰ کے تحت سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ اسکی پابندی نہیں کرتا:

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے　　　فقیہہ وصوفی وشاعر کی ناخوش اندیشی[39]

آج کے نام نہاد فقیہوں، صوفیوں اور شاعروں کی ناخوش اندیشی شناسی لوگوں کی ناعاقبت اندیشی اور بے عملی کتنی قوموں کو نقصان پہنچا چکی ہے:

خداوند! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں　　　کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری[40]

مروجہ تصوف سے تنگ آکر اقبالؒ خدا سے التجاء کرتے ہیں کہ اے خدا تعالیٰ! تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ آج کے دور کے درویش بھی محض عیاری، مکاری اور دھوکا فریب ہے اور یہی کیفیت سلطانی (حکمرانی) کی ہے۔نہ درویشوں میں حقیقی جذبے رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرسکیں۔سب اپنے اپنے مفادات کے حصول کیلیئے وہ ہر طرح کے دھوکے فریب سے کام لے رہے ہیں:

یہ معاملے ہیں نازک، جو تیری رضا ہو تو کر — کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی[41]

اقبال صوفی سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو تیرا دل چاہتا ہے تو کر، یہ بڑے نازک معاملے ہیں۔ مجھے تیرے طور طریقے اچھے نہیں لگتے۔صوفی گوشہ نشینی اختیار کرکے ترک دنیا کا مظاہرہ کرتا ہے جو سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ہمیں تو دین اور دنیا دونوں کو سنوارنے کا کہا گیا ہے۔ یہ گویا آج کے نام نہاد صوفیاء پر تنقید ہے:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک — نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت نہ نگاہ[42]

اقبالؒ کہتے ہیں کہ میں مدرسے اور خانقاہ دونوں سے غم زدہ ہو کر اٹھا ہوں اس لیے کہ اب ان میں نہ تو حقیقی زندگی کے آثار نظر آتے ہیں۔نہ محبت، و معرفت اور نہ ہی حقیقت بین نگاہ۔ گویا علامہ کے نزدیک ظاہری علوم کے ادارے (مدرسے) اور باطنی علوم کے ادارے خانقاہیں دونوں اپنی اصل روح سے محروم ہو چکے ہیں:

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟ — خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے؟[43]

سوال کے صورت میں کی گئی ان باتوں کا جواب یہ ہے کہ آج نہ تو درسگاہوں میں فکر و نظر کی کوئی شگفتگی و دلکشی رہ گئی ہے اور نہ اہل خانقاہ ہی عشق کے حقیقی جذبوں سے سرشار ہیں۔ ہر جگہ محض نمود و نمائش ہی رہ گئی ہے:

تیری طبیعت ہے اور، تیرا زمانہ ہے اور — تیرے موافق نہیں خانقہی سلسلہ[44]

اقبال اس دور کے مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تیری طبیعت اور ڈھنگ کی ہے اور تیرا زمانہ اور ڈھب کا ہے۔ اس بنا پر آج کا یہ خانقاہی سلسلہ اور طور طریقہ تیرے لیے موافق نہیں ہے۔ جو خانقاہی سلسلہ کبھی انسان دوستی اور انسانوں کی خدمت میں بے مثل رہا تھا۔ آج وہ اس جذبہ سے بالکل محروم و خالی ہے:

کئے ہیں فاش رموز قلندری میں نے — کہ فکر مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد[45]

اقبالؒ کہتے ہیں میں نے درویشی و قلندری کے راز اس لیے فاش کیے ہیں تا کہ درس گاہوں اور خانقاہوں کی سوچ آزاد ہو جائے۔ یعنی وہ ان کا تمام رکاوٹوں اور بندھنوں کو توڑ ڈالیں جو عظیم اور حقیقی مقصد کے حصول میں روڑے اٹکانے کا باعث بنتے ہیں۔

اخلاص، وفا، ایثار، قربانی سے سرفراز اور شہرت و غور سے بے نیاز رجال اللہ اپنی ذات کے قطرہ کو ذات الٰہی کے سمندر میں فنا کرتے رہے ہیں اور اس طرح خالق و مخلوق کی نظر میں معتبر و مکرم ٹھہرے۔ ایسی خانقاہیں اب بہت کم ہی صحیح لیکن مفقود عنقا نہیں۔

موجودہ دور فتن جو لمحاتی تبدیلیوں سے مرکب ہے جہاں ایمان و وفا کے سر بازار سودے ہوتے ہیں، ضمیر و اصول کی بولیاں لگتی ہیں اور ہر کس و ناکس سر بازار سجادہ بچھا کر سجادہ نشین بن جاتا ہے۔ یہاں تصوف و طریقت کو کھیل تماشا بنایا جا رہا ہے۔ اور عوام کالانعام اپنی جہالت کی بنا پر ایسے جعلی اور بناوٹی مرغ باد نما کے جھنڈے اٹھا کر نعرے لگاتے ہیں ان کا حقیقی خانقاہی نظام سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ موجودہ یہودیت کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور مروجہ عیسائیت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں ہیں۔ نقالوں، عاملوں شعبدہ بازوں کی اس بھیڑ میں منافرت، مادیت اور فرقہ واریت کے ہر ماحول میں حقیقی خانقاہی نظام نے مثلاً شہان حق کو جوہائے راہ بنایا تشنگان علم و معرفت کو سیر اب کیا۔ اصحاب صفہ کی سنت کا احیاء و ارتقاء اس خانقاہی نظام سے ممکن ہوا۔ نبی کریم ﷺ کی روحانی وراثت اور باطنی خلافت کے امین و نائب یہیں سے اٹھتے رہے ہیں ان کا فیض صدر اول سے تادم تحریر جاری ہے۔ امام حسن بصریؒ، بی بی رابعہ بصری، ذوالنون مصری، جنید بغدادی، امام غزالی، بہاء الدین نقشبندی، سید علی ہجویری، شہاب الدین سہروردی، جلال الدین رومی، نظام الدین اولیاء، معین الدین چشتی اور حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسے روشن اسماء گرامی نبوت سے فیض یاب اسی آفتاب حقیقت کی وہ کرنیں ہیں جن سے ہماری تاریخ کے گوشے مختلف ادوار میں وقفے وقفے سے منور ہوتے رہے۔

انہی حضرات نے مال غنیمت سے بے فکر اور کشور کشائی سے بے نیاز ہر طرح کے خوف و لالچ سے بالاتر ہو کر دین و ایمان کی روحانی شمع کو فروزاں رکھا۔ سیاسی، عسکری، تہذیبیں اسلام پر آنے والے آشوب اور پر فتن حالات میں اعلان ابراھیمی اور ضرب کلیمی کی تاریخ کا اعادہ کرتے رہے۔ دنیا کی انسانیت کش تعبیر کے بجائے

انسانیت نواز تشریح وتوضیح کی، مجاہدین اسلام اگر دشمن کے قلعوں کو فتح کرتے رہے تو یہ ارباب دلوں کو مسخر کرنے میں مشغول رہے۔ انہی حضرات کے متعلق اقبال نے فرمایا:

ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں [46]

اقبال اپنے بیٹے جاوید اقبال کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پید کر [47]

یعنی اقبال کہتے ہیں کہ میرا زندگی گزارنے کا طور طریقہ امیری نہیں درویشی ہے تو بھی اس طریقے کو اپنا کر اپنی زندگی کا مقصد بنالے اور اپنی خودداری قطعات نہ بیچ بلکہ غریبی ہی میں نام پیدا کر اور کہا کہ تیری خودداری تیرے لیئے عظمت وشہرت کا باعث بنے گی۔

علامہ اقبال کی شاعری میں جس صوفیانہ مسلک کے آثار ملتے ہیں وہ رسمی یارائج تصوف نہیں۔ اس کی بنیاد خالص اسلامی تصوف اور اسلام کی روح پر ہے۔ چنانچہ اقبال کا سارا کلام ایسی Dynamic Spirit کی تشریح اور تفسیر ہے اور یہی اقبال کے تصوف کا امتیازی نشان ہے۔ اس مسلک میں اقبال نے ان صوفیاء سے اکتساب فیض کیا ہے جو زندگی کے اس مثبت نظریہ کے علمبردار ہیں اور خود بھی اپنے حکیمانہ نظریات سے اس نظریہ کو تقویت دی اور پروان چڑھایا۔

حوالہ جات

[1] https://www.rekhtadictionary.com/meaning-of-khaanqaah?lang=ur&keyword=%D8%AE%D8%A7%D9%86%D9%82%D8%A7%DB%81

[2] Panipati, Qazi Sanaullah, *Tafseer e Mazhari*, Part 6.(Karachi: Dar Ul Ishaat, 1999,)page 87.

[3] Mufti Ahmed Yar Khan Naeemi. *Tafseer e Naeemi*. (Gujrat: Naeemi Kutub Khana, 1999,)page 857.

[4] Abdul Karim bin Hawazin al-Qashiri, Al-Risalah al-Qashiriyyah, translated by Maulana Muhammad Irfan Beg Nuri (Ali Garh: Dar-ul-Irfan Sarsid Nagar, 2005), page 27

[5] Ganj-e-Matloob, translated by Professor Abdul Majidi Zadani, (Lahore: Nashran Quran Limited, Urdu Bazaar, 2018), p. 91

[6] Aleeg, Abdul Rehman. *Nafhaat ul Anfus*. (Lahore: Shabir Brothers, 2002,)Page 33.

[7] Nizami, Qayyum. *Zinda Iqbal*. (Qasim Mart, 2022,) page 33.

[8] Iqbal, Allama Muhammad. *Kulliyat e Iqbal*. (Lahore: Iqbal Academy, 2018,)page 404

Nizami, Qayyum. Zinda Iqbal. (Qasim Mart, 2022,) page 33[9]
Iqbal, Allama Muhammad. Kulliyat e Iqbal. (Lahore: Iqbal Academy, [10] 2018,)page 497
Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing [11] Works, 1935), p. 13
Iqbal, Allama Muhammad. Kulliyat e Iqbal. (Lahore: Iqbal Academy, [12] 2018,)page 741
[13] Iqbal, Allama Muhammad. Kulliyat e Iqbal. (Lahore: Iqbal Academy, 2018,)page 712
Iqbal, Allama Muhammad. Kulliyat e Iqbal. (Lahore: Iqbal Academy, 579[14] 2018,)page
Iqbal, Allama Muhammad. Letter to Syed Suleman Nadvi. 1917.[15]
Iqbal, Allama Muhammad. Iqbal Nama: Majmooa Makateeb Iqbal. Editor [16] Allah, Sheikh Ata. (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1951.)page 30.
Iqbal, Allama Muhammad. Iqbal Nama: Majmooa Makateeb Iqbal. Editor [17] Allah, Sheikh Ata. (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1951.)page 30.
Iqbal,Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing [18] Works, 1935), page 167.
Iqbal, Allama Muhammad, armaghan-e-hijaz, (Ali Garh, Aligarh Book Dipo, [19] 1975,) page 14.
Iqbal, Allama Muhammad.Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & [20] Sons, 1972,) page 126.
Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing [21] Works, 1935), page 95.
Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing [22] Works, 1935), page 42.
Iqbal, Allama Muhammad.Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & [23] Sons, 1972,) page 47.
Iqbal, Allama Muhammad.Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & [24] Sons, 1972,) page 26.
Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing [25] Works, 1935), page 17.
Iqbal, Allama Muhammad, Bang-e-Dara, (Lahore, Sheikh Ghulam Ali & [26] sons,, 1977,) page 227.
Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing [27] Works, 1935), page 27.
Iqbal, Allama Muhammad, Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & [28] Sons, 1972,) page 25.
Iqbal, Allama Muhammad, Kulliyat-e-Iqbal (Farsi), (Lahore, Sheikh Ghulam [29] Ali Aind Sunz, 1985) page 827.
Iqbal, Allama Muhammad, Bang-e-Dara, (Lahore, Sheikh Ghulam Ali & [30] sons,, 1977,) page 223.
Iqbal, Allama Muhammad.Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & [31] Sons, 1972,) page177.

[32] Iqbal, Allama Muhammad.Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & Sons, 1972,) page 53.
[33] Iqbal, Allama Muhammad.Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & Sons, 1972,) page 34.
[34] Iqbal, Allama Muhammad.Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & Sons, 1972,) page 33.
[35] Iqbal, Allama Muhammad.Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & Sons, 1972,) page 38.
[36] Iqbal, Allama Muhammad.Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & Sons, 1972,) page 52.
[37] Iqbal, Allama Muhammad.*Zarb e Kaleem*. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & Sons, 1972,) page 58.
[38] Iqbal, Allama Muhammad.Zarb e Kaleem. (Lahore: Sheikh Ghulam Ali & Sons, 1972,) page 64.
[39] Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing Works, 1935), page 47.
[40] Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing Works, 1935), page 58.
[41] Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing Works, 1935), page 68.
[42] Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing Works, 1935), page 70.
[43] Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing Works, 1935), page 93.
[44] Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing Works, 1935), page 104.
[45] Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing Works, 1935), page 102.
[46] Iqbal, Allama Muhammad, Bang-e-Dara, (Lahore, Sheikh Ghulam Ali & sons,, 1977,) page 104.
[47] Iqbal, Allama Muhammad, Baal-e-Jibreel, (Lahore, Kapoor Art Printing Works, 1935), page 198.